حضرت امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کے سیاسی افکار

از: مفتی امانت علی قاسمی
استاذ دارالعلوم حیدرآباد

امام صاحب کے عہد کی سیاسی صورتِ حال

امام صاحب کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی اور وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی، ۱۳۲ھ میں امیہ حکومت کا خاتمہ ہوگیا اور ابوالعباس سفاح کے ہاتھوں حکومتِ عباسیہ کی بنیاد پڑی، اس طرح امام صاحب نے اموی اور عباسی دونوں حکومت کا زمانہ پایا، اموی حکومت میں سرحدی فتوحات کی کثرت ہوئی اور عباسی حکومت میں علمی اور قلمی ترقیاں ہوئیں؛ لیکن مجموعی طور پر دونوں حکومتوں میں عوام ظلم و بربریت کا شکار ہوے اپنی حکومت کی بقاء وتحفظ لیے عام انسانوں کی گردنیں اڑادینا عام معمول تھا، پورا عالمِ اسلام بنوامیہ کے خوں چکاں مظالم سے تھرارہا تھا، حضورِ محبوب ﷺ کے نواسوں اور ان کے خاندان کے پیاسوں کو فرات کے ساحل پر شہید کردیا گیا تھا، صدیقِ اکبر کے نواسے عبداللہ بن زبیر کو بیت اللہ کے چوکھٹ پر خاک وخون میں تڑپادیا گیا تھا، یزید، ابن زیاد، حجاج بن یوسف کو کھلا کھیل کھیلنے کا موقع مل گیا تھا، اس سلسلہ میں سب سے قابلِ رحم حالت کوفہ کی تھی، جہاں حضرت امامِ اعظم پیدا ہوے۔ اس شہر میں ابنِ زیاد، پھر حجاج کی تلوار بے کسوں پر لٹکتی رہی، عراق کے گورنر ابن ہبیرہ کے ہاتھوں نے چھ لاکھ لوگوں کے خون سے ہولی کھیلی، ایسی صورتِ حال میں لوگوں کا بے چین ہونا، انسانی جانوں پر ہورہے اس بھیانک ظلم سے متاثر ہونا، ایک فطری امر ہے، پھر امام ابوحنیفہؒ جن کے دل میں امتِ محمدیہ کا بے پناہ درد تھا، جیسا کہ سلم بن سالم کا بیان ہے، میں نے بڑے بڑے علماء سے ملاقاتیں کیں؛ لیکن رسول اللہ ﷺ کی امت کے احترام کا جذبہ جتنا شدید ابوحنیفہؒ کے دل میں پایا، اس کی نظیر کہیں نہیں ملی (مناقب للموفق ۲۴۸) ظالم حکام کے ظلم سے امام صاحب کس قدر بے چین ہوتے رہے ہونگے، اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔

جب حکومت کا ظلم وستم عام ہوجائے اور احترامِ انسانیت کو بالائے طاق رکھ کر مظالم کی حد کردی جائے، ایسی صورتِ حال میں علماء امت کی کیا ذمہ داری ہے، اس حکومت پر نکیر فرض ہے یا نہیں، ایسی حکومت کے خلاف خروج کرنا ظلم ہے یا عدل، تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں علماء امت کے دو گروہ تھے، ایک محدثین کا گروہ تھا جن کا مسلک تھا کہ حکومت جن لوگوں کے ہاتھ میں چلی جائے، خواہ کسی ذریعہ سے گئی ہو؛ لیکن جب وہ اقتدار کے مالک ہوگئے تو ان کے سلسلے میں کچھ کہنا شرعاً ناجائز ہے، خواہ ان کا طرزِ عمل کچھ بھی ہو، مسلمانوں کے مذہب نے ان اس کا پابند بنایا ہے کہ خاموشی کے ساتھ ان کے آگے سر جھکادیں (احکام القرآن للجصاص ۳۴/۲)

اس کے بالمقابل امام صاحبؒ کا مسلک یہ تھا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر حکومت کے ساتھ بھی کیا جائے گا اگر زبانی مفاہمت کے ذریعہ حکومت عدل کی طرف رجوع نہ کرے تو مقابلہ کے لیے کھڑا ہونا فرض ہے، ابراہیم الصائغ خراسان کے بڑے تھے، انھوں نے جب ابومسلم خراسانی کی ظلم وزیادتی دیکھی تو انھوں نے ظالم حکومت کے خلاف خروج کے سلسلے میں امام صاحب سے مشورہ کیا، اس وقت امام صاحب نے اپنے اسی رائے کو ظاہر فرمایا، ابراہیم الصائغ کے حوالے سے امام صاحب کی طرف منسوب ہے کہ ظالم حکمراں کے سامنے معروف امر اور منکر کے نکیر کے لیے جو کھڑا ہوا وہ اور حمزہ بن مطلب دونوں شہداء کے سردار ہوں گے؛ لیکن امام صاحب ظالم حکومت کے خلاف خروج کے لیے تنظیمی اور اجتماعی قوت کو ضروری قرار دیتے ہیں؛ جب کہ اس کے ذریعہ صالح اور مفید انقلاب لانا ممکن ہو۔

''اگر ایک دو آدمی کھڑے ہوں گے تو قتل کردیے جائیں گے اور مخلوقِ خدا کے لیے کوئی کام انجام نہ دے سکیں گے؛ البتہ اگر اس کام کی سرانجامی میں کچھ اچھے صالح لوگ مددگار بن جائیں اور ان کا کوئی ایسا سردار ہو جس کے دین پر بھروسہ کیا جاسکتا ہو اور وہ اپنے مسلک سے نہ پلٹے تو اس وقت مقابلہ کے لیے اٹھ کھڑا ہونا چاہیے،، (امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ۲۸۶)

امام ابوحنیفہ اور حکومت بنوامیہ کی پالیسی

امام صاحب اپنے تجارت وسخاوت، امانت ودیانت، علم وفن اور تقوی وطہارت کی وجہ سے کوفہ میں انتہائی بااثر لوگوں میں شمار ہوتے تھے؛ اس لیے حکومتِ بنوامیہ آپ کو حکومت کا حصہ بنا کر عوام سے ہمدردی حاصل کرنا چاہتی تھی؛ چناں چہ آپ کو نرمی وگرمی ہر طرح سے مختلف عہدوں کی

پیش کش کی گئی ،اس سلسلے میں کوفہ کے گورنر ابن ہبیرہ کو اس پالیسی پر عمل کرنے کا موقع ملا، ایک مرتبہ ابن ہبیرہ نے امام صاحب سے عرض کیا: ''شیخ! اگر آپ اپنی آمد ورفت کو ہمارے یہاں بڑھادیں تو ہم آپ سے اور زیادہ فائدہ اٹھائیں اور ہمیں آپ سے نفع پہونچے،، امام صاحب نے جواباً ارشاد فرمایا ''تمہارے پاس آکر کیا کروں گا، اگر تم مجھے نزدیکی اور قرب عطا کروگے تو فتنہ میں مبتلا کروگے اور اگر دور رکھا یا قرب عطا کرنے کے بعد نکال دیا تو خواہ مخواہ غم میں مبتلا کروگے،، اس کے بعد ابن ہبیرہ نے ربیع کے ذریعہ امام صاحب کو گورنر کے بعد سب سے بااختیار وزیر بنائے جانے کی پیش کش کی اور پیغام بھیجا کہ ''گورنر کی مہران کے پاس رہے گی؛ تاکہ کوئی حکم نافذ ہو اور کوئی کاغذ جو حکومت کی طرف سے صادر ہو اور خزانہ سے کوئی مال برآمد ہو وہ سب ابوحنیفہؒ کی نگرانی میں ہو اور ان کے ہاتھ سے نکلے، جب امام صاحب نے دولت بنی امیہ کی اس جلیل منصب کو ٹھکرا دیا اکابر علماء، داؤد بن ابی ہند، ابن شبرمہ، ابن ابی لیلیٰ جیسے بڑے فقہاء کا ایک وفد امام صاحب کی تفہیم کے لیے حاضر ہوا اور سمجھانا شروع کیا کہ ہم لوگ تمہیں خدا کی قسم دیتے ہیں، تم اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو، ہم لوگ آخر تمہارے بھائی ہیں اور حکومت کے اس تعلق کو ناپسند کرتے ہیں؛ لیکن کوئی چارہ کار اس وقت قبول کرنے کے سوا نظر نہیں آتا؛ لیکن امام صاحب ترکِ موالات کا فیصلہ کرچکے تھے؛ اس لیے ان اکابر علماء کی نصیحت کا کوئی اثر نہ ہوا، اور امام صاحب نے اس منصب کو قبول کرنے سے انکار کردیا، ابن ہبیرہ نے پندرہ دن کے لیے جیل بھیج دیا اور وہاں بھی طمع ولالچ اور جاہ ومنصب کی پیش کش ہوتی رہی اور جب مسلسل انکار دیکھا تو عہدۂ قضاء قبول کرنے پر مجبور کرنے لگا اور قسم کھاتے ہوئے اعلان کیا کہ اگر عہدۂ قضاء کو بھی قبول نہ کیا تو میں ان کو کوڑے ماروں گا؛ لیکن امام صاحب جو دین کے نشے میں مخمور تھے، ابن ہبیرہ کے کوڑے سے زیادہ آخرت کی آہنی گرز کی چمک ان کے یقین کے آنکھوں کے سامنے کوندرہی تھی، انھوں نے قسم کھا کر کہا ''ہرگز عہدۂ قضاء قبول نہ کروں گا چاہے ابن ہبیرہ قتل ہی کیوں نہ کردے،، ابن ہبیرہ غصے میں تلملا اٹھا اور موت کی دھمکی دینے لگا، امام صاحب نے انتہائی سکینت واستقامت کے ساتھ فرمایا: صرف ایک ہی موت تک ابن ہبیرہ کا اقتدار ہے، گورنر کے اشارہ پر جلاد نے کوڑے برسانے شروع کردیے، چند کوڑوں کے بعد امام صاحب کی زبان سے ایک تاریخی جملہ نکلا، جس میں ابن ہبیرہ کو خطاب کرکے فرمایا ''یاد کر اس وقت کو جب اللہ کے سامنے تو بھی کھڑا کیا جائے گا اور تیرے سامنے میں جتنا ذلیل کیا جارہا ہوں، اس سے کہیں زیادہ ذلت کے ساتھ تو خدا کے دربار

میں پیش کیا جائے گا، ابن ہبیرہ! تو مجھے موت کی دھمکی دیتا ہے؛ حالاں کہ دیکھ میں شہادت دے رہا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، تجھ سے بھی پوچھا جائے گا، اس وقت بجز سچی بات کے کوئی جواب تیرا نہیں سنا جائے گا،، کہتے ہیں کہ آخری فقرہ پر ابن ہبیرہ کا چہرہ فق ہوگیا، جلاد کی طرف اشارہ کیا ''بس،، سزا کے بعد جب امام صاحب کو واپس جیل لے جایا جارہا تھا، تو پیٹھ پر مار کے نشان پڑے تھے اور مظلوم امام کا چہرہ سوجا ہوا تھا؛ لیکن امام ظالم حکومت کے خلاف جو مقاطعہ کا فیصلہ کرچکے تھے، اس سے سرِمو انحراف نہ کیا، تا آنکہ بنوامیہ حکومت کا سورج غروب ہوگیا۔

امام صاحب عہدِ عباسی میں

بنوامیہ کے خاتمہ اور عباسی حکومت کے آغاز میں امام صاحب مکہ معظّمہ میں مقیم رہے، عباسی حکمراں منصور کے عہد میں امام صاحب کوفہ آئے، بنوامیہ کے عہد میں حضرت زین العابدین کے صاحبزادے حضرت زید بن علی الشہید نے کوفہ میں خروج کیا، ان کے متعلق امام صاحب نے فتوی دیا ''حضرت زید کا اس وقت اٹھ کھڑا ہونا رسول اللہ ﷺ کی بدر میں تشریف آوری کے مشابہ ہے،، گو چند وجوہات کی بنا پر عملاً امام صاحب حضرت زید شہید کے ساتھ جہاد میں شریک نہ ہوئے؛ لیکن آپ نے اس جہاد کے لیے کثیر رقم بھی عنایت فرمائی، منصور حضرت زید شہید کی تحریک میں امام کی اس شرکت سے یقیناً واقف تھا، اور کوفہ میں امام صاحب کے اثر ورسوخ کو اپنی آنکھوں دیکھ رہا تھا؛ اس لیے سابقہ فرماں رواؤں کی طرح منصور نے امام صاحب کو اپنی حکومت کا حصہ بنانا ضروری خیال کیا؛ چنانچہ منصور نے جب بغداد کی تعمیر کا فیصلہ کیا تو اس نے علماء، فقہاء، انجینئر، اور اربابِ فضل وکمال کو جمع کیا، اس میں امام صاحب بالخصوص بلائے گئے اور ناظمِ تعمیرات کی حیثیت سے امام صاحب کا تقرر ہوا، ابتداءً منصور کے حکم کی مخالفت مناسب خیال نہ کیا اور جزوقتی طور پر اس عہدہ کو قبول کرکے منصور کے قریب ہوگئے، منصور بڑا مدبر اور سیاسی تھا، اس نے دھیرے دھیرے امام صاحب کو اپنی گرفت میں کرنے کی کوشش کی؛ چنانچہ امام صاحب کی خدمات سے خوشی ظاہر کرکے دس ہزار کا انعام یہ کہتے ہوئے پیش کیا کہ میری خواہش ہے کہ آپ یہ رقم قبول فرمالیں، امام صاحب نے کسی حیلے کے ذریعہ رقم وصول کرنے سے معذرت کردی؛ اس لیے کہ امام صاحب جانتے تھے کہ حکومت کے لقمۂ تر ہضم کرلینے کے بعد حکومت کے خلاف زبان کھولنے کی جرأت ختم ہوجاتی ہے۔

بیت المال کے سلسلے میں حضرت امامؒ کی رائے

ایک مرتبہ نہیں؛ بلکہ متعدد مرتبہ منصور نے امام صاحب کو مال کی پیش کش کی، یحییٰ بن نصر کے حوالے سے منقول ہے کہ دوسری مرتبہ منصور نے مال کے ساتھ حسین وجمیل باندی کی پیش کش کی؛ لیکن امام صاحب بیت المال کے بیجا استعمال کو حرام سمجھتے تھے؛ بلکہ ان کے نزدیک حکم میں جور اور بیت المال میں خیانت ایک امام کی امامت کو باطل کردینے والے افعال تھے؛ اس لیے انھوں نے مال کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے فرمایا ''امیر المؤمنین اگر ذاتی مال سے دیتے تو شاید میں قبول کرلیتا؛ لیکن یہ جو کچھ آپ مجھے دے رہے ہیں یہ تو مسلمانوں کے بیت المال کا ہے جس کا میں اپنے آپ کو کسی طرح مستحق نہیں سمجھتا ہوں، نہ میں ننگا، بھوکا، محتاج فقیر ہوں، اگر یہ صورت ہوتی تو فقیروں کی مد سے شاید میرے لیے کچھ لینا جائز ہوتا، اور نہ میں ان لوگوں میں ہوں جو مسلمانوں کی حفاظت کے لیے لڑتے ہیں، اگر میرا تعلق ان فوجیوں سے ہوتا تو اس وقت بھی اس مد سے لے سکتا تھا، جب میرا تعلق نہ اس گروہ سے ہے اور نہ اس طبقے سے تو آپ ہی انصاف کیجیے میں یہ رقم کس بنیاد پر لے سکتا ہوں؟،، (امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ۳۷۲) بیت المال کے بے جا استعمال پر آپ ہمیشہ معترض رہتے تھے اور حکومت کے مالوں کو انتہائی بے نیازی کے ساتھ ٹھکرادیتے تھے، جب منصور نے امام صاحب کے سامنے عہدۂ قضاء پیش کیا اور امام صاحب نے انکار کردیا تو منصور نے امام صاحب کو ۳۰ کوڑے لگوائے جس سے امام صاحب کا سارا بدن لہولہان ہوگیا تو خلیفہ کے چچا عبدالصمد بن علی نے اس کو سخت ملامت کی کہ یہ تم نے کیا کیا؟ یہ عراق کا فقیہ ہے؛ بلکہ پورے مشرق کا فقیہ ہے، منصور اس پر نادم ہوا اور فی تازیانہ ایک ہزار درہم کے حساب سے تیس ہزار درہم امام صاحب کو بھیجوائے؛ لیکن امام صاحب نے لینے سے انکار کردیا، کہا گیا لے کر خیرات کردیجیے! جواب میں ارشاد فرمایا: ''کیا اس کے پاس کوئی حلال مال بھی ہے؟''

اسی زمانہ میں جب پے در پے تکلیفیں سہتے ہوئے امام کا آخری وقت آگیا تو انھوں نے وصیت کی کہ ''بغداد کے اس حصے میں ان کو دفن نہ کیا جائے جسے شہر بسانے کے لیے منصور نے لوگوں کی املاک میں سے غصب کرلیا تھا، انتقال کے بعد منصور بھی قبر پر نماز پڑھنے کے لیے آیا، جب وصیت کا حال سنا تو چیخ پڑا کہ ابوحنیفہ زندگی اور موت میں تیری پکڑ سے کون بچا سکتا ہے۔ (خلافت وملوکیت ۲۳۷)

حضرت امامؒ کی حق گوئی

امام صاحب کے نزدیک اظہار رائے کی آزادی کو بڑی اہمیت حاصل تھی اور یہ ہر مسلمان کا بنیادی حق تھا، امام صاحب اس اظہار رائے کی آزادی بڑی بے باکی سے استعمال کرتے تھے، اور اس سلسلے میں سخت سے سخت تکلیف کی بھی پروانہیں کرتے تھے، جس زمانہ میں امام صاحب تعمیر بغداد کے سلسلے میں منصور کے ساتھ تھے، ان دنوں کا واقعہ ہے کہ منصور کو ''موصل'' والوں کی بغاوت کی اطلاع ملی، دربار میں امام صاحب بھی بیٹھے تھے، منصور نے مجلس کی طرف خطاب کرکے کہا کہ ''موصل'' والوں نے یہ معاہدہ مجھ سے کیا تھا کہ میری اور میری حکومت کے وفادار رہیں گے اور کبھی سرکشی پر آمادہ نہ ہوں گے، معاہدہ میں انھوں نے یہ بھی تسلیم کیا تھا کہ اگر حکومتِ عباسیہ کے خلاف وہ کبھی بھی بغاوت پر آمادہ ہوں تو خلیفہ کو حق ہوگا کہ وہ ہر ایک کو قتل کردے، منصور نے پوچھا: میرے گورنر کے خلاف وہ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں، کیا ان کی خوں ریزی خود اُن کے معاہدہ کی رو سے میرے لیے جائز نہیں ہوچکی ہے؟ چند لوگوں کے موافق رائے آجانے کے بعد منصور امام کی طرف متوجہ ہوکر بولا: شیخ! آپ کی کیا رائے ہے؟ امام صاحب منصور کی بدنیتی، اور اس کی ذہنی کج روی کو محسوس کرچکے تھے؛ اس لیے امام صاحب تمہیدی گفتگو کرتے ہوئے فرمایا: ''کیا اس وقت میں نبوت کی جانشینی کے جو مدعی ہیں، ان کے سامنے نہیں کھڑا ہوں؟ توقع ہے کہ جس گھر میں اس وقت ہوں یہ مسلمانوں کی پناہ گاہ ہے'' منصور نے کہا ایسا ہی ہے اس کے بعد امام صاحب نے فرمایا: ''امیر المؤمنین ''موصل'' والوں نے اگر اس قسم کا کوئی معاہدہ آپ سے کیا تھا، یعنی بغاوت کی صورت میں ان کا خون خلیفہ کے لیے حلال ہوجائے گا تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ایک ایسی چیز کا اختیار آپ کو سپرد کیا، جس کے سپرد کرنے کا شرعاً انھیں قطعاً اختیار نہیں تھا، اس کے بعد بھی اگر آپ ان کی خوں ریزی پر آمادہ ہوں گے تو ایسی چیز میں آپ ہاتھ ڈالیں گے جو آپ کے لیے کسی طرح جائز نہیں، امیر المؤمنین خدا کا عہد زیادہ مستحق ہے کہ اس کا ایفا کیا جائے'' (مناقب للکردری ۱۷)

مذکورہ واقعہ سے امام صاحب کی جرأت وحق گوئی اور ظالم بادشاہ کے سامنے اظہارِ حق کا برملا اظہار نمایاں طور پر دکھائی دیتا ہے، مجلس کی برخواستگی کے بعد منصور امام کی طرف متوجہ ہوکر بولا: شیخ بات وہی ہے جو آپ نے کہی، امام کی یہی جسارت وحق گوئی شاہی کیمپ سے نجات کا ذریعہ ثابت ہوئی، اسی واقعہ کے بعد منصور نے امام صاحب سے فرمایا: آپ اپنے وطن تشریف لے جائیں

(آخر میں بڑی لجاجت سے بطور وصیت اور وداعی ہدایت کے اس نے کہا) مگر اس کا ذرا خیال رکھا کیجیے کہ ایسا فتویٰ لوگوں کو نہ دیجیے جس سے آپ کے امام کی ذات پر حرف آجائے آپ جانتے ہیں کہ اس قسم کے فتوؤں سے خوارج (یعنی حکومت کے باغیوں) کو حکومت کے خلاف دست اندازی کا موقع مل جاتا ہے۔ (امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ۳۷۷)

ظالم حکومت کے خلاف خروج

جب منصور بغداد کی تعمیر میں مصروف تھا، انھیں ایام میں مدینہ میں محمد بن عبداللہ نفس ذکیہ اور بصرہ میں ان کے بھائی ابراہیم نے خروج کیا، منصور اس بغاوت کو ختم کرنے کے لیے کوفہ آیا اور عیسیٰ بن موسیٰ کو مدینہ کی طرف روانہ کیا۔ امام صاحب چونکہ اس حکومت کو ظالم حکومت تصور کرتے تھے، اور امام صاحب کی رائے تھی کہ ظالم حکومت نہ صرف باطل ہے؛ بلکہ اگر صالح اور مفید انقلاب ممکن ہو، افراد مہیا ہوں، اور کوئی ایسا قائد ہو جس کے دین پر اعتماد کیا جاسکتا ہو، تو ایسی صورت میں خروج کرنا واجب ہے، نفس ذکیہ کا تعلق حسنی سادات سے تھا؛ اس لیے مدینہ، عراق، اور مختلف اسلامی ریاستوں میں لوگ ان کی حمایت میں کھڑے ہوگئے، امام صاحب نے موقع غنیمت جان کر ابراہیم بن عبداللہ کی کھل کر حمایت کردی، اور آپ اس درجہ اس کی حمایت پر آمادہ تھے کہ آپ کے شاگردوں کو خیال ہوگیا کہ ہم لوگ باندھ لیے جائیں گے، امام صاحب ابراہیم کا ساتھ دینے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی تلقین کرتے تھے، ان کے ساتھ خروج کو پچاس گنا نفلی حج سے عظیم قرار دیتے تھے، ابواسحاق فزاری سے آپ نے کہا تھا کہ ''تیرا بھائی جو ابراہیم کا ساتھ دے رہا ہے، اس کا یہ فعل تیرے اس فعل سے کہ تو کفار کے خلاف جہاد کرتا افضل ہے،، ان اقوال کے صاف معنی یہ ہیں کہ امام صاحب کے نزدیک مسلم معاشرہ کی اندرونی نظام کی بگڑی ہوئی قیادت کے تسلط سے نکالنے کی کوشش باہر کے کفار سے لڑنے کی بہ نسبت بدرجہا فضیلت رکھتی ہے، ظالم حکومت کے خاتمہ کے لیے امام صاحب کا حیرت انگیز کارنامہ یہ تھا کہ منصور کا نہایت معتمد جنرل حسن بن قحطبہ کو نفس ذکیہ اور ابراہیم کے خلاف جنگ پر جانے سے روک دیا، اس کا باپ قحطبہ وہ شخص ہے جس کی تلوار نے ابومسلم کی تدبیر وسیاست سے مل کر سلطنتِ عباسیہ کی بنا رکھی، اس کے مرنے کے بعد یہ اس کی جگہ سپہ سالار اعظم بنا گیا، منصور کو سب سے زیادہ اسی پر اعتماد تھا؛ لیکن حسن کوفہ میں رہ کر امام صاحب کا گرویدہ ہوگیا، اور امام صاحب کے اشارہ پر اس نے جنگ میں جانے سے انکار کردیا،

امام صاحب کی سیاسی بصیرت اور نفس ذکیہ کی اس درجہ حمایت سے تقریباً منصور بھی ناامید سا ہو چکا تھا؛ بلکہ اس نے کوفہ سے راہ فرار اختیار کرنے کے لیے تیز رفتار سواری کا انتظام بھی کر چکا تھا، اگر تقدیر عباسیوں کا ساتھ نہ دیتی تو یقیناً عباسی حکومت کا تختہ پلٹ دیا جاتا؛ لیکن تقدیر تدبیر پر غالب آگئی اور نفس ذکیہ اور ابراہیم شہید کر دیے گئے، اور منصور اپنی حکومت بچانے میں کامیاب ہو گیا، اس پورے واقعہ میں امام صاحب کی سرگرمی کھل کر سامنے آجاتی ہے، اور امام صاحب کا سیاسی مسلک عملی طور پر نمایاں دکھائی دیتا ہے۔

امام صاحب اور عہدۂ قضاء

منصور نفس ذکیہ کے خروج کے واقعہ میں امام صاحب کی سرگرمی سے بخوبی واقف تھا، جس کی وجہ سے منصور کے دل میں امام صاحب کے خلاف گرہ پڑی ہوئی تھی؛ لیکن امام صاحب جیسے بااثر آدمی پر ہاتھ ڈالنا آسان نہ تھا، اسے معلوم تھا کہ ایک حسین کے قتل نے بنی امیہ کے خلاف مسلمانوں میں کتنی نفرت پیدا کر دی تھی، اور اسی وجہ سے ان کا اقتدار آسانی سے اکھاڑ پھینکا گیا؛ اس لیے وہ انھیں مارنے کے بجائے سونے کی زنجیروں میں باندھ کر اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنا زیادہ بہتر خیال کیا، اسی نیت سے منصور نے بار بار امام صاحب کو عہدۂ قضاء پیش کیا؛ بلکہ سلطنتِ عباسیہ کا قاضی القضاۃ مقرر کرنے کی پیش کش کی؛ مگر امام صاحب طرح طرح کے حیلوں سے ٹالتے رہے، آخر کار جب منصور بہت زیادہ مصر ہوا تو امام صاحب نے ایک مرتبہ نرم انداز میں معذرت کرتے ہوئے فرمایا: ''قضاء کے لیے وہ شخص موزوں ہے جو اپنے اندر اتنی جان رکھتا ہو کہ آپ پر، آپ کے شہزادوں پر، اور سپہ سالاروں پر قانون نافذ کر سکے، اور مجھ میں وہ جان نہیں'' منصور کے بار بار اصرار پر ایک مرتبہ سخت لہجے میں منصور کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''مجھ پر بھروسہ تم کو نہ کرنا چاہیے میں اگر خوشی سے بھی اس عہدہ کو قبول کرلوں جب بھی آپ کو مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کے خلاف بھی فیصلہ دینے کا موقع میرے سامنے آگیا اور مجھے یہ دھمکی دی جائے کہ اس فیصلہ سے باز آجاؤ یا دریا فرات میں تمہیں غرق کر دیا جائے گا تو میں کہے دیتا ہوں کہ فرات میں ڈوب مرنے کو قبول کروں گا؛ لیکن فیصلہ بدلنے پر راضی نہیں ہوسکتا، اور جب رضامندی سے عہدہ قبول کرنے پر میرا یہ حال ہے، تو اسی سے اندازہ کر لیجیے کہ زبردستی اگر مجھے قاضی بنایا گیا تو اس وقت غصہ کی حالت میں جو کروں گا وہ ظاہر ہے'' (مناقب موفق مکی ۲/۱۷۱)

اس طرح کے متعدد واقعات تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں، جن سے قضاء اور عدلیہ کے تعلق سے امام صاحب کا نقطۂ نظر بخوبی سمجھا جاسکتا ہے، عدلیہ کے متعلق ان کی قطعی رائے یہ تھی کہ اسے انصاف کرنے کے لیے انتظامیہ کے دباؤ اور مداخلت سے نہ صرف آزاد ہونا چاہیے؛ بلکہ قاضی کو اس قابل ہونا چاہیے کہ خود خلیفہ بھی اگر لوگوں کے حقوق پر دست درازی کرے تو وہ اس پر اپنا حکم نافذ کرسکے، امام صاحب کو اخیر زمانہ میں جب اپنی وفات کا یقین ہوگیا تھا، انھوں نے اپنے تلامذہ کو جمع کیا اور خطاب فرمایا ''پس اب وقت آگیا کہ آپ لوگ میری مدد کریں میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم میں ہر ایک عہدۂ قضاء کی ذمہ داریوں کے سنبھالنے کی پوری صلاحیت اپنے اندر پیدا کر چکا ہے، اور دس آدمی تو تم میں ایسے ہیں جو صرف قاضی ہی نہیں؛ بلکہ قاضیوں کی تربیت کا کام بخوبی انجام دے سکتے ہیں، اللہ کا واسطہ دیتے ہوئے، اور علم کا جتنا حصہ آپ لوگوں کو ملا ہے، اس علم کی عظمت وجلالت کا حوالہ دیتے ہوئے آپ لوگوں سے میری یہ تمنا ہے کہ اس علم کو محکوم ہونے کی بے عزتی سے بچائے رہنا، اور تم میں سے کسی کو قضا کی ذمہ داریوں میں مبتلا ہونے پر اگر مجبور ہونا پڑے تو میں یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ایسی کمزوریاں جو مخلوق کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوں اگر کوئی جان بوجھ کر اپنے فیصلوں میں ان کا ارتکاب کرے گا تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ ایسے آدمی کا فیصلہ جائز نہ ہوگا اور نہ قضاء کی ملازمت اس کی حلال ہوگی، جو تنخواہ اس سلسلے میں اس کو ملے گی، وہ اس کے لیے پاک نہ ہوگی، قضاء کا عہدہ اسی وقت تک صحیح رہتا ہے؛ جب تک کہ قاضی کا ظاہر و باطن ایک ہو، اور اسی قضاء کی تنخواہ حلال ہے'' اس تقریر کا آخری فقرہ تھا، امام (یعنی مسلمانوں کا بادشاہ اور امیر اگر مخلوق خدا کے ساتھ کسی غلط رویہ کو اختیار کرے تو اس امام سے قریب ترین قاضی کا فرض ہوگا کہ اس سے باز پرس کرے'' (موفق مکی ۲/۱۰۰۔ امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ۴۹۷) امام صاحب کے اس طویل خطاب میں جس کا تھوڑا سا اقتباس یہاں پیش کیا گیا ہے قضاء اور عدلیہ کے تعلق سے امام صاحب کی رائے بہت نمایاں ہوجاتی ہے۔

❁ ❁ ❁